قسط ۲

مولانا شہاب الدین ندوی

"شریعت بل" ضرورت اور نفاذ کیوں؟

نظامِ شریعت کی برتری اور معقولیت کے دلائل

۳۔ نظریۂ آزادی وہ بنیادی اصول جن کو اسلامی شریعت نے عالمِ انسانی کے سامنے پیش کیا ہے اُن میں سے ایک حریت یعنی آزادی کا اصول بھی ہے اور اسلامی شریعت نے اس اصول کا اثبات بہت بہترین طریقے سے کیا ہے چنانچہ اُس نے آزادیٔ فکر، آزادیٔ عقیدہ اور آزادیٔ رائے کو تسلیم کیا ہے۔ ہم اس موقع پر ان سب پر الگ الگ گفتگو کریں گے۔

۴۔ آزادیٔ فکر اسلامی شریعت نے آزادیٔ فکر کا اعلان کر کے انسانی عقل کو اوہام و خرافات، اور باپ دادا کی اندھی تقلید اور قومی عادات، و خصائل سے جو خلافِ عقل ہوں، نجات دلائی ہے، وہ اس بات کی داعی ہے کہ جو چیز خلافِ عقل ہو اُسے چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس موضوع پر بکثرت آیات وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ
مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ
الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ
يَعْقِلُونَ (بقرہ : ۱۶۴)

آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے ہیر پھیر میں، اُس کشتی میں جو سمندر میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہے، اُس بارش میں جسکو اللہ بادل سے برساتا ہے اور اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور اُس میں ہر قسم کے جانداروں کو پھیلا دیتا ہے، ہواؤں کے قانونِ ادل بدل میں اور اُس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مُسخر کیا ہوا ہے، غرض ان تمام مظاہر میں عقلمندوں کیلئے یقیناً (اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت و ربوبیت کی) نشانیاں موجود ہیں۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ

کیا یہ لوگ اونٹوں کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ وہ کس

خُلِقَتْ ، وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ، وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (غاشیہ: ۱۷-۲۰)

طرح بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کا کہ وہ کسطرح بلند کیا گیا ہے؟ اور پہاڑوں کا کہ وہ کسطرح نصب کئے گئے ہیں؟ اور زمین کا کہ وہ (اپنی پوری گولائی میں) کسطرح پھیلائی گئی ہے؟

چنانچہ قرآن لوگوں کو عار دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ اپنی عقلوں کو بے کار نہ کر دیں، اپنی فکر کو معطّل نہ کر دیں، غیروں کی بے جا تقلید نہ کریں، اوہام و خرافات پر یقین نہ کریں اور بلا سوچے سمجھے قومی عادات و روایات کو مضبوطی سے پکڑ نہ لیں، قرآن اُن تمام اُمور میں ایسے لوگوں کی عیب گیری کرتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو چوپاؤں سے تشبیہ دیتا ہے کیونکہ وہ بغیر سوچے سمجھے دوسروں کا اتباع کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنی ذاتی عقل و فکر کو کام میں نہیں لاتے، حالانکہ عقل ہی وہ واحد خصوصیّت ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور دیگر مخلوقات کے درمیان فرق کیا ہے، لہٰذا انسان جب اپنی عقل کو معطّل کر دیتا ہے تو وہ چوپاؤں کے برابر ہو جاتا ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر۔ چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے :

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف: ۱۷۹)

اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے ہیں، جن کے دل تو ہیں مگر وہ اُن سے سمجھتے نہیں، اُن کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، اور اُن کے کان تو موجود ہیں مگر وہ اُن سے سُنتے نہیں، وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر یہی لوگ غافل (و بے پرواہ) ہیں۔

۵۔ آزادیٔ عقیدہ اسلامی شریعت ہی وہ اوّلین شریعت ہے جس نے آزادیٔ عقیدہ کو جائز قرار دیا اور اس نظریہ کی حفاظت و رعایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، چنانچہ اسلامی شریعت کے مطابق کوئی بھی شخص اپنے لئے جو عقیدہ چاہے اختیار کر سکتا ہے اور کسی دوسرے شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کو اپنا عقیدہ چھوڑنے یا کوئی دوسرا عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کرے (ہاں البتہ دوسروں کی رہنمائی کی خاطر حق بات کی وضاحت کی جا سکتی ہے یا انہیں متنبّہ کیا جا سکتا ہے)۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے :

لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (بقرہ: ۲۵۶)

دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔

فَذَكِّرْ ط اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ: ۲۱-۲۲)

آپ نصیحت کیجئے آپ تو صرف نصیحت ہی کرنے والے ہیں، ان پر کوئی داروغہ نہیں۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (نور: ۵۴)

اور رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

اسلامی شریعت نے لوگوں کے لئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ہر ایک کے لئے آزادیٔ عقیدہ کی ضمانت دیکر بلند نظری کا ثبوت دیا ہے اور اس نے بلادِ اسلامیہ میں رہنے والے غیر مسلموں کو بھی اس بات کی آزادی عطا کی ہے کہ کسی بھی اسلامی مملکت میں وہ اپنے دین، مسلک اور عقیدے کا اظہار کر سکتے ہیں اور اپنے دینی فرائض کو انجام دے سکتے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے دین کے قیام اور اس کی تعلیم کے لئے عبادت گاہوں اور مدرسوں کو بغیر کسی حرج کے قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی ممالک میں یہود و نصاریٰ کے لئے ان تمام امور میں کامل آزادی حاصل تھی۔

۶۔ آزادیٔ رائے

اسلامی شریعت نے اظہارِ رائے کی آزادی کو جائز و مباح اور ہر انسان کا حق قرار دیا ہے بلکہ اس کو انسان پر ہر اُس معاملے میں واجب قرار دیا ہے جس میں اخلاق اور مصالح عامہ متاثر ہوتے ہوں اور جن کو شریعت "منکر" یعنی ناپسندیدہ چیز سمجھتی ہو جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ : (آل عمران، ۱۰۴)

اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو، جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور انہیں معروف (دین و عقل کی نظر میں پسندیدہ امور) کا حکم کرے اور منکر (ناپسندیدہ باتوں) سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

اور حدیث شریف میں آیا ہے: "تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو چاہیئے کہ اُس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر زبان سے اس کی مذمت کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اس کام کو اپنے دل میں بُرا سمجھے مگر یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"

ہر انسان کو اگرچہ اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق اظہار رائے کرے اور زبان و قلم کے ذریعہ اسکی مدافعت کرے، مگر یہ حریت مطلق طور پر نہیں بلکہ مقید ہے کہ وہ جو کچھ کہے یا لکھے وہ عام آداب، اخلاقِ فاضلہ اور مزاجِ شریعت کے خلاف نہ ہو۔

یہ اسلامی شریعت کا وہ نظریہ حریت ہے (اپنی تینوں اقسام کے ساتھ) جسکو اُس نے ایسے وقت پیش کیا جبکہ لوگ اس بارے میں اپنی عقل سے کچھ بھی سوچ نہیں رہے تھے، بلکہ صرف انہی باتوں کا چرچا کیا کرتے تھے جنکو انہوں نے اپنے باپ دادا سے وراثتاً پایا تھا اور اُن کی نظر میں یہ ایک فطری بات تھی کہ انسان اپنے عقیدے کو بدلنے پر مجبور کیا جائے اور اُس دور میں آزادیٔ قول اور آزادیٔ

نکر کا حق صرف صاحبِ اقتدار اور طاقتور لوگوں ہی کو حاصل تھا۔

غرض اسلامی شریعت نظریۂ حریت کو پیش کرنے میں وضعی قوانین سے گیارہ صدیاں آگے ہے کیونکہ وضعی قوانین کے ذریعہ اس کا آغاز اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کی ابتدا ہی میں ہوسکا ہے۔ اس سے پہلے ان قوانین میں اس نظریہ کا تصور دکھائی نہیں دیتا بلکہ تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے برعکس ایسے مفکرین اور اصلاح پسندوں کو سخت تکلیفیں دی گئیں جنہوں نے اصحابِ اقتدار کے نظریات پر تنقید کی۔ مگر اہلِ یورپ کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ وہ حریت کے اولین علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ یہ شریعت اسلامیہ سے جہالت کا نتیجہ ہے

۷۔ طلاق کا نظریہ نوٹ: صاحبِ کتاب نے اس موقع پر دیگر کئی نظریات بھی بیان کئے ہیں، جن میں اسلامی شریعت کو سبقت واولیت حاصل ہے مثلاً نظریۂ شوریٰ، نظریۂ تحریم خمر، نظریۂ معاہدات، اور تحریری شہادت وغیرہ لیکن یہ سب نظریات اس وقت موضوعِ بحث سے خارج ہیں، اس لئے انہیں نظرانداز کیا جاتا ہے، ہاں البتہ نظریۂ طلاق اور نظریۂ تعددِ ازدواج کا اس موضوع سے چونکہ گہرا تعلق ہے اس لئے اب اس موقع پر صرف انہی دو کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اسلامی شریعت نے مرد کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ اپنی منکوحہ کو طلاق دیدے خواہ اُس سے مُباشرت کی ہو یا نہ کی ہو، اگرچہ اس بات کا کوئی ظاہری ثبوت بھی نہ ہو کہ رشتۂ نکاح کی وجہ سے مرد کو کوئی نقصان پہنچا ہے۔ اس لحاظ سے بیوی کو طلاق دینے کا دارومدار مرد پر ہے[ع]

اور شریعت نے عورت کو بھی اجازت دی ہے کہ وہ قاضی سے مطالبہ کرے کہ وہ اُس کے شوہر سے اُسے طلاق دلوادے۔ جب کہ وہ یہ بات ثابت کردے کہ اُس کے شوہر نے اُسے جسمانی یا رُوحانی طور پر کوئی تکلیف پہنچائی ہے یا یہ کہ اس کا شوہر اُس کے وہ حقوق ادا نہیں کررہا ہے جن کو شریعت نے اُس کے ذمہ واجب قرار دیا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان حقِ طلاق کے استعمال میں جو اساسی فرق ہے، وہ یہ ہے کہ مرد کو ازدواجی معاملات میں کنبہ کا بڑا اور نگران ہونے کا حق حاصل ہے، کیونکہ تنہا وہی ازدواجی زندگی کا سارا بوجھ برداشت کرتا ہے۔ وہی بیوی کے مہر اور شادی کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ وہی شادی کے دن ہی سے بیوی کے اخراجات کا کفیل ہے، اگرچہ اس کی بیوی ابھی اُس کے گھر میں منتقل نہ ہوئی ہو اور وہی اپنی بیوی اور بچوں کے نان و

ع　اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب "طلاق اسلام اور عالمی قوانین میں" دیکھنی چاہیئے۔

نفقہ کا ذمہ دار ہے [٦] لہٰذا ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کے پیشِ نظر اُسے طلاق کا حق مطلق طور پر دیا گیا ہے اور یہ بات ایک دوسری حیثیت سے عورت کے لئے بھی مبنی بر مصلحت ہے کہ اگر مرد کو طلاق کے اسباب بیان کرنے پر مجبور کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اسکی وجہ سے عورت کی نیک نامی پر دھبّہ لگ جائے اور اس کا عقدِ ثانی مشکل ہو جائے۔ اب رہا عورت کا معاملہ تو اسکو طلاق کا حق مشروط طور پر ملا ہے جب کہ اُسے کوئی مادی یا معنوی نقصان پہنچے۔ اس اُصول میں بہرحال مرد کو ایک درجہ فضیلت دیئے جانے کے اعتبار سے مطابقت نظر آتی ہے اور عورت کو بھی مرد کی ایذا رسانی سے بچاؤ کی صورت موجود ہے۔ بہرحال شریعت نے مرد کو اگرچہ طلاق کا غیر مشروط حق عطا کیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کے بالمقابل ایسی ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں جن سے بیوی کا تحفظ اور اس کے مفاد کی حفاظت ہوتی ہے۔

طلاق کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) طلاق عورت کا مہر متعیّن ہونے اور اُس کے ساتھ ہمبستر ہونے سے پہلے بھی ہو سکتی ہے (۲) یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عورت کا مہر تو متعین ہو گیا مگر اس کے ساتھ ابھی ہم بستری نہ ہوئی ہو (۳) یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہر بھی متعیّن ہو اور ہمبستری بھی ہو چکی ہو تو ان سب صورتوں میں شریعت نے مرد کے ذمہ مہر لازمی قرار دیا ہے، جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں ہے۔ شریعت کے اس التزام سے جہاں ایک طرف عورت کے لئے معاوضہ حاصل ہوتا ہے تو دوسری طرف مرد کے لئے ایک انتباہ کی حیثیت بھی رکھتا ہے کہ وہ طلاق دینے سے پہلے اچھی طرح سوچ بچار کر لے۔

قرآن مجید میں ان سب صورتوں کے لئے الگ الگ احکام موجود ہیں (دیکھئے سورۂ بقرہ ۲۳۶ - ۲۳۷ اور نساء : ۲۰) اور پھر عدت کے دوران بیوی کا نان و نفقہ بھی مرد ہی کے ذمہ ہے، جو عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل (طلاق : ۲۸) اور غیر حاملہ ہونے کی صورت میں تین حیض ہے (بقرہ: ۲۲۸)

طلاق کے سلسلے میں جو احکام وارد ہوئے ہیں اُن کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمومیّت اور لچک کے اعتبار سے اپنی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اسی بناء پر وہ ہر دور اور ہر ملک کیلئے قابلِ عمل ہیں۔ لہٰذا ان میں کسی کی ترمیم یا تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی تازگی، صلاحیت اور بلندی آج بھی برقرار ہے اور وہ بالکل تازہ دم نظر آتی ہے۔

---

[٦] اسلامی قانون کے مطابق یہ تمام اخراجات، ذمہ داریاں اور فرائض مرد ہی پر عائد ہوتے ہیں، جو ہندوستانی معاشرے میں ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں پر دیگر قوموں سے میل جول کی بناء پر اصل اسلامی قانون تقریباً مسخ ہو کر رہ گیا ہے مگر اب اسلامی قانون کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر سختی کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ شہاب

طلاق کی مقبولیّت غرض اسلامی شریعت نے چودہ سو سال پہلے ہی میاں بیوی کو طلاق کا حق دے دیا تھا، نیز مذکورۂ بالا قوی اور منصفانہ ضمانتوں کے ذریعہ اس کا احاطہ کر دیا تھا (تاکہ اس سلسلے میں کوئی بے انصافی یا کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے) مگر موجودہ متمدن دنیا اس حق سے بیسویں صدی میں جاکر متعارف ہو سکی ہے اور بعض متمدن قومیں تو اسلامی شریعت پر اعتراض کرتی تھیں کہ اُس نے حقِ طلاق کو کیوں تسلیم کیا ہے؟ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور علوم و فنون کی ترقی ہونے لگی اور عقلوں کے دریچے کھل گئے تو اہلِ علم اور مفکرین کو نظر آیا کہ طلاق کا قانون میاں بیوی کے لئے ایک نعمت ہے، جو ناکام ازدواجی زندگی اور نفسیاتی اذیتوں سے نجات پانے کا واحد راستہ ہے اور طلاق ہی وہ قانون ہے جو ازدواجی زندگی کی ناکامی کی صورت میں زوجین کی دوبارہ سعادت کا باعث بنتا ہے اور ان دونوں کی لغزشوں اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے ؎

چنانچہ آج متمدن اور ترقی یافتہ قوموں کا کوئی بھی وضعی قانون طلاق کی دفعہ اور اس کے اعتراف سے خالی نہیں ہے لیکن یہ قوانین طلاق کے اصول کو تسلیم کر لینے کے باوجود اس کے تفصیلی نفاذ میں مختلف دکھائی دیتے ہیں یعنی بعض قومیں طلاق کے دائرے میں وسعت دیتی ہیں تو کچھ قومیں اس کو محدود کرتی ہیں، چنانچہ روسی قانون مرد اور عورت دونوں کے لئے بغیر کسی قید یا شرط کے طلاق کو یکساں طور پر جائز قرار دیتا ہے۔ شریعت نے جس اُصول کو صرف مرد کے لئے وضع کیا تھا اُس کو روسی قانون مرد اور عورت دونوں کے لئے روا رکھتا ہے، اس کے برعکس امریکہ کے بعض صوبوں کے قوانین مرد اور عورت دونوں کو مطالبۂ طلاق کا حق عطا کرتے ہیں جب کہ مطالبہ کرنے والا (زوجین میں سے کوئی ایک) یہ ثابت کر دے کہ اُس کے شریکِ زندگی (زوجین میں سے کوئی ایک) نے اُس کو مادی یا معنوی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ قوانین اُس اصول سے ماخوذ ہیں جسکو شریعت نے عورت کے لئے روا رکھا تھا (جیسا کہ تفصیل

؎ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی فطرت یکساں طور پر نہیں رکھی ہے بلکہ ذہنوں اور طبیعتوں میں بہت بڑا اختلاف رکھ دیا ہے، اس لئے یہ واضح اختلاف کبھی کبھی مرد اور عورت کی جدائی کا باعث بن سکتا ہے اور اس صورت میں ازدواجی بندھن کو قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بگر ایسے موقع پر ان دونوں کے لئے قانونی طور پر جدائی کی گنجائش نہ رکھنا فسادِ تمدن کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے طلاق کا قانون ایک فطری اور سائنٹیفک قانون ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ خالق کائنات ہے اور وہ اپنی تخلیق کے تمام بھیدوں سے آگاہ ہے، اس لئے اُس نے اس ابدی قانون کو اپنی شریعت میں ایک ضابطۂ حیات کے طور پر رکھا ہے۔ شہاب

گزر چکی ہے) مگر اس دفعہ کو یے کر یہ ممالک مرد اور عورت دونوں کو اس کے تابع کرتے ہیں ؂

اسی طرح اکثر وضعی قوانین محدود دائرے اور معین اسباب کی بناء پر میاں بیوی میں سے کسی ایک کی طلب کی بناء پر حقِ طلاق کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قوانین مرد اور عورت پر وہ دفعہ لاگو کرتے ہیں جسکو شریعت نے عورت پر لاگو کیا تھا لیکن وہ بھی اسبابِ طلاق اور اس کے دائرے کو محدود کرتے ہوئے۔

بہرحال تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد عصر جدید نے شریعتِ اسلامیہ کے قانونِ طلاق کا اعتراف کیا اور اس کو اپنایا ہے۔ اب ہو سکتا ہے کہ بیسویں صدی گزرنے سے پہلے ہی وضعی قوانین جوازِ طلاق کو اور بھی وسیع کر دیں اور شریعت کے نظریہ کو مکمل طور پر اپنا لیں۔

اب ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جس وقت شریعت نے نظریۂ طلاق کو پیش کیا، اُس وقت دُنیا اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی لیکن شریعت میں اس نظریہ کا وجود شریعت کی تکمیل کا مقتضی تھا، کیونکہ ایک کامل اور دائمی شریعت ایسے نظریات کی حاجت مند رہتی ہے اور اس قانون کے ذریعہ سوسائٹی کا معیار بڑھانا اور اُسے ترقی و کمال کی شاہراہ پر ڈالنا مقصود ہے۔

۸۔ تعددِ ازدواج کا نظریہ: اسلامی شریعت نے اپنے نزول ہی کے دن سے تعددِ ازدواج (POLYGAMY) کو جائز قرار دیا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ مرد ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں ان کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھنے کی اہلیت اپنے آپ میں پاتا ہو، مگر جب اُسے یقین ہو جائے کہ وہ ان کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھنے کی سکت نہیں رکھتا تو اس کے لئے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں ہے، اور زیادہ سے زیادہ چار ہی بیویاں کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ	جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین
مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ	اور چار چار سے نکاح کر لو اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء : ۳)	کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔

اسلامی شریعت نے تعددِ ازدواج کو جو جائز قرار دیا ہے تو اس کی دو وجوہات ہیں: ایک تو

؂ اس لحاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق ایک ترقی یافتہ قانون ہے جسکی اہمیت وافادیت سے موجودہ ترقی یافتہ دور ہی واقف و آگاہ ہو سکتا ہے مگر انسانی علم و عقل چونکہ ناقص ہیں۔ اس لئے وہ ان قوانین کا اعتراف اور اس کا نفاذ بھی ناقص طور پر ہی کر رہے ہیں شہاب

اس میں خود اس کا اپنا مخصوص مزاج و فلسفہ ہے اور دوسرے وہ انسانی طبیعت کے بھی مطابق ہے، نیز اس کے علاوہ وہ مقصدِ ازدواج سے بھی ہم آہنگ ہے۔

تعدد ازدواج کے سلسلے میں شریعت کی منطق یہ ہے کہ چونکہ شریعت نے زنا کو یکسر حرام کر دیا ہے اور اس کے مرتکب کے لئے سخت سزا تجویز کی ہے کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کر دیا جائے، تو اس اعتبار سے نامناسب تھا کہ شریعت ایک طرف زنا کو لوگوں کے لئے حرام کر دے اور دوسری طرف انہیں زنا کی جانب بڑھنے بھی دے (ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر فطری طریقہ ہوتا جب ان پر ایک جانب سے بندش عائد کی جا رہی ہے تو دوسری طرف طبعی و اجتماعی ضرورتوں کے تحت کوئی دوسرا متبادل راستہ کھلا ہونا چاہیئے) اور اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ تعدد ازدواج کی حرمت لوگوں کو زنا کی طرف مائل کرتی ہے) لہذا زنا کی حرمت کا واحد متبادل کثرتِ ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادیوں کا جواز ہونا چاہیئے) اور واقعہ کے لحاظ سے یہ بات اسطرح صادق آتی ہے کہ دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور جب کبھی جنگیں ہوتی ہیں تو ان دونوں جنسوں کے درمیان یہ فرق اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ایک سے زیادہ بیویوں کی ممانعت کی وجہ سے بہت سی عورتیں بے نکاح رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عورت کا نکاح کی استعداد کے باوجود نکاح سے محروم رہ جانا بہت سے مفاسد پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے اور وہ غلط راہوں پر نکل سکتی ہے۔

اسی طرح مرد اور عورت دونوں جنسی عمل کی استعداد کی حیثیت سے بھی مختلف ہیں۔ عورت تو اس معاملے میں ہر وقت مرد کی آغوش میں جانے کے لئے تیار نہیں رہتی کیونکہ وہ ہر مہینہ متوسط طور پر ایک ہفتہ تک حیض کی حالت میں رہتی ہے اور کبھی کبھی حیض کی یہ حالت دو ہفتے بھی ہو جاتی ہے اور اس حالت میں مجامعت حرام ہے۔ اسی طرح عورت کو بچہ ہونے کے بعد نفاس کی حالت میں بھی، جو عموماً چالیس دن ہوتی ہے، مجامعت حرام ہے۔ اسی طرح حمل کی حالت میں بھی عورت کی یہ استعداد کمزور رہتی ہے مگر ان تمام حالتوں میں مرد کی استعداد میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لہذا اگر مرد پر ایک سے زیادہ بیوی کرنا ممنوع قرار دیا جائے تو یہ چیز بہت سوں کے لئے زنا کا دروازہ کھولنے کا باعث ہو سکتی ہے، کیونکہ ایسے افراد ایامِ حیض و نفاس اور حمل کی حالت میں اپنی جنسی جبلت پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ لہذا اسلامی شریعت نے انسانی طبائع کا لحاظ کرتے ہوئے کثرتِ ازدواج کو مشروط طور پر جائز قرار دیا ہے (یعنی ہر ایک کے لئے ضروری و لازمی چیز نہیں ہے بلکہ یہ چند شرطوں کے ساتھ صرف ایک اجازت ہے) کیونکہ اس امتحان میں اگر دس بیس افراد کامیاب بھی ہو جائیں تو سینکڑوں افراد کی لغزش کا امکان ہے۔ لہذا شریعت نہیں چاہتی کہ

وہ لوگوں کو امتحان گاہ کی بھٹی میں جھونک دے
(اس کے علاوہ بعض اوقات پہلی بیوی کو بچہ نہ ہونے کی صورت میں بھی دوسری شادی کرنی پڑتی ہے (اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے)
یہ ہے کثرتِ ازدواج کے سلسلے میں اسلامی شریعت کا نظریہ جو معاشرتی نقصانات اور خرابیوں کو دُور کرنے، عورتوں کے درمیان مساوات قائم کرنے اور اخلاقی معیار کو بلند کرنے کی غرض سے جائز قرار دیا گیا ہے۔ کثرتِ ازدواج کے سلسلے میں جو قرآنی نص (واضح بیان) ہمارے سامنے موجود ہے، وہ انتہائی درجہ عام اور لچکدار ہے اور یہ بیان اپنی صلاحیت کے لحاظ سے جسطرح چودہ سو سال سے محفوظ ہے، اسی طرح آئندہ بھی اسکی صلاحیت انشاء اللہ محفوظ اور کارآمد رہے گی۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس "نص" کو شریعت نے جماعت یا سوسائٹی کی حالت سے مطابقت ظاہر کرنے کے لئے پیش نہیں کیا تھا کیونکہ دورِ رسالت میں اہلِ عرب کثرتِ ازدواج کو غیر معیّن طور پر جائز قرار دیتے تھے۔ لہٰذا وہ بیویوں کی تعداد کو محدود کرنے پر خوش نہیں تھے بلکہ اس حکم کے نزول کے بعد انہیں صرف چار بیویوں پر اکتفا کرتے ہوئے باقی بیویوں کو طلاق دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ شریعت نے اس حکم کے ذریعہ جماعت وسوسائٹی کا معیار بلند کرنا چاہا ہے، کیونکہ اس کا وجود ایک دائمی اور کامل شریعت میں ضروری تھا جو کسی ترمیم وتبدیلی کو قبول نہ کرسکتی ہو۔

تعددِ ازدواج اور عصرِ حاضر کثرتِ ازدواج (ایک سے زیادہ بیویاں کرنا) کے سلسلے میں شریعت کا نظریہ ان نظریات میں سے ہے جن کا اعتراف وضعی قوانین نے اب تک نہیں کیا ہے بلکہ یہ نظریہ زمانۂ قدیم ہی سے یورپی قوموں کے لئے عجیب وغریب نظر آتا رہا ہے جسکی بناء پر وہ اسلام پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں مگر آج صورتِ حال بدل گئی ہے اور یورپین علماء اور مُصلحین نیز ان کے مؤقر اخبارات میں اب اس قانون کے بارے میں نرم گوشہ ظاہر ہونے لگا ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ دن قریب آگیا ہو جس میں وضعی قوانینِ شریعت کی اس دفعہ کو پوری طرح اپنالیں، کیونکہ پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۹ء) اور دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ء - ۱۹۴۵ء) دونوں نے اس تصوّر کو قبول کرنے اور ماحول کو سازگار بنانے کے سلسلے میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ ان دونوں جنگوں میں مردوں کی ایک بڑی تعداد کام آگئی اور عورتیں کثیر تعداد میں بیوہ ہوگئیں۔ اس طرح عورتوں کی تعداد مردوں سے نمایاں طور پر بڑھ گئی ہے۔
اور سچی بات تو یہ ہے کہ صرف جنگیں ہی اس سلسلے میں بنیادی سبب نہیں ہیں، جنھوں نے اہلِ یورپ کو کثرتِ ازدواج کے جواز میں غور کرنے پر مجبور کردیا ہو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی دوسرے

متعدد اسباب ہیں، جن میں سے ایک جنس مخالف سے "دوستی" کی کثرت اس طرح ہوگئی ہے کہ ایک ایک شخص کی کئی کئی "گرل فرینڈ" ہوتی ہیں جو اس کی مردانگی، عنایت اور مال میں اُس کی بیوی ہی کی طرح برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ دوسرا سبب زنا کی کثرت اور اُس کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے جرائم ہیں۔ چنانچہ حرامی بچوں کی کثرت اتنی ہوگئی ہے کہ اب ذلت کے خوف سے نوزائیدہ بچوں کو سڑکوں پر پھینک دیا جاتا ہے، یا کنواری مائیں اپنا حمل گرا کرا نہیں ساقط کر دیتی ہیں (اور یہ سب مانع حمل ادویات اور مانع حمل حیلوں کی کثرت کے باوجود بھی ایسا ہو رہا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ حرامی بچوں کی تعداد اور بھی کئی گنا زیادہ ہوتی) تیسرا سبب فطری طور پر دنیا میں عورتوں کی زیادتی ہے اور ان کی یہ خواہش اور جائز ضرورت ہے کہ وہ بھی قانونی طور پر بیویاں اور مائیں بنیں اور چوتھا سبب یورپی قوموں میں واضح طور پر نسلِ انسانی کی کمی کا مسئلہ ہے۔

یہ اور ان جیسے اور بھی اسباب و محرکات ہیں جنہوں نے اربابِ فکر کو کثرتِ ازدواج کے جواز کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ اس سلسلے میں کثرتِ ازدواج ہی ان تمام خرابیوں اور اجتماعی امراض کا فطری علاج ہو سکتا ہے۔ [۹]

حاصل بحث ان واقعات اور ان حقائق و معارف سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ قانونی اور دستوری حیثیت سے اسلامی شریعت کو وضعی یا انسانی قوانین پر تقدم، اولیت اور برتری حاصل ہے اور ان کی جدت و تازگی میں اب تک کوئی فرق نہیں آسکا ہے بلکہ ترقی یافتہ قومیں اور اُن کے قوانین برابر اسلامی شریعت و قانون سے اخذ و استفادہ کر رہے ہیں، بالفاظِ دیگر اسلام کے سایے میں پناہ لینے پر مجبور نظر آ رہے ہیں، لیکن حقیقت تو بہر حال حقیقت ہے، خواہ کوئی اس بات کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔ تاریخی واقعات اپنی جگہ پر تاریخی حقائق کے حامل ہوتے ہیں، غرض موجودہ ترقی یافتہ قوموں نے ایک چودہ سو سال "پرانے" قانون سے اخذ و استفادہ کر کے اسکی جدت و تازگی اور اسکی برتری و معقولیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اور اس اعتبار سے اسلامی شریعت یا اسلامی قانون پر کہنگی کی پرچھائیاں کبھی نہیں پڑ سکتیں بلکہ زمانے کی ترقی و تقدم کے باعث اس میں مزید نکھار پیدا ہوتا چلا جائیگا اور علوم و فنون کی ترقی کے باوجود اسلامی قانون کی ضرورت و اہمیت اور زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہی چیز اس کے من

---

۹ ملخص از التشریع الجنائی الاسلامی، صفحات ۱۲-۵۵، اس ترجمے اور خلاصے میں کہیں کہیں خفیف سا تصرف بھی کیا گیا ہے۔

جانب اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ انسان کے بنائے قوانین برابر بدلتے رہتے ہیں، اور خُدائی قوانین کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ اُس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ اسلامی شریعت وقانون میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور نہ اس میں تبدیلی کی ضرورت ہی دکھائی دیتی ہے، تو پھر یہ بات آپ سے آپ ثابت ہوجاتی ہے کہ اسلامی شریعت خدائے عالم کی جانب سے ہے۔ لہٰذا اب جو لوگ خدائی قانون میں تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں، وہ نہ صرف خُدائی قانون اور اس کے مزاج و فلسفے سے ناواقف ہیں بلکہ خود وضعی قوانین اور اُن کے اصول و فلسفے سے بھی ناواقف ہیں اور جو لوگ ان دونوں کی اصلیت سے ناواقف ہوں، انہیں اس معاملے میں بولنے اور لب کشائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آج کل کے بہت سے "دانشور" اسلامی شریعت کو بزعم خود غلط طور پر ایک "دقیانوسی قانون" تصور کرکے اس میں ترمیم وتبدیلی کے خواہشمند نظر آتے ہیں مگر جیسا کہ اوپر کے مباحث سے ظاہر ہوگیا، اسلامی شریعت کی کوئی بھی شق اور اسکی کوئی دفعہ بھی حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہے، بلکہ اسلامی قانون ہی وہ واحد قانون ہے جو موجودہ دُنیا کے تمام قوانین میں کامل، برتر، کارآمد اور ابدی وسرمدی نظر آتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب دُنیا آہستہ آہستہ اُس کے اس ابدی قانون سے اخذ واستفادہ کرنے لگی ہے حتیٰ کہ جدید طبقے کی طرف سے جن اسلامی قوانین پر سب سے زیادہ اعتراض کیا جاتا ہے، یعنی قانونِ طلاق اور قانونِ کثرتِ ازدواج، ان کی اہمیت وافادیت بھی اب عصرِ جدید نے تسلیم کرنا شروع کردی ہے۔ طلاق کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں اکثر ترقی یافتہ ملکوں نے اس کو کسی نہ کسی صورت میں اختیار کرلیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کچھ مدت کے بعد اسلام کے قانونِ طلاق کو مکمل شکل میں قبول کرلیا جائے کیونکہ یہ موجودہ دور کے بہت سے پیچیدہ مسائل اور معاشرتی خرابیوں کا ایک فطری اور سائنٹفک حل ہے۔

واضح رہے کہ قانونِ طلاق کو اُصولی طور پر تسلیم کرلینے کے باوجود آج بہت سی قوموں میں عملاً اس کے حصول کی مشکلات یا پیچیدگیوں کے باعث بہت سے خاندان جہنم کا نمونہ بنے ہوئے ہیں اور اس باب میں ہندو معاشرے کی مثال سب سے نمایاں ہے، جو جہیز کے خوفناک اور بے رحم شکنجوں میں جکڑا ہوا بلبلا رہا ہے۔ چنانچہ آج ہندوستانی معاشرے میں بہت سی "امواتِ جہیز" حقیقتاً "امواتِ طلاق" ہوتی ہیں، کیونکہ طلاق کی آسانیاں حاصل نہ ہونے کی وجہ سے (جسطرح کہ اسلام نے اس کو آسان بلکہ میاں بیوی کا پرسنل مسئلہ قرار دیا ہے) ناپسندیدہ عورتوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے انہیں جلا

کر یا گلا گھونٹ کر مار دیا جاتا ہے اور پھر اسکو آسانی کے ساتھ خودکشی کا کیس ثابت کر دیا جاتا ہے، اگر طلاق کی سہولتیں حاصل ہوں تو پھر ہزاروں معصوم عورتوں کی جان بچائی جاسکتی ہے اور اس اعتبار سے قانونِ طلاق حقیقتاً "قانون زندگی" ہے مگر جو قوم اپنے لئے بجائے زندگی کے موت ہی کو ترجیح دینے لگ جائے تو ظاہر ہے کہ ساری دُنیا بھی مل کر اُسکو بچا نہیں سکیگی۔ فاعتبروا

اب رہا معاملہ کثرتِ ازدواج کا، تو یہ بھی ایک فطری اور سائنٹیفک قانون ہے، جس کے باعث اب مفکرین اور دانشورانِ یورپ نے اس بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا ہے اور جلد یا بدیر اس سلسلے میں رائے عامہ بدلنے والی ہے، لہٰذا جو اسلامی قوانین نوعِ انسانی کے لیے حقیقتاً مفید اور کارآمد ہیں اُن کے بارے میں مخالفینِ اسلام اور متعصب مستشرقین کے گمراہ کن پروپگنڈے سے متاثر ہو کر اُن کی ہاں میں ہاں ملانا ایک غیر معقول رویہ ہے جسکو سوائے تعصب کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

نوعِ انسانی کو چاہیئے کہ اس باب میں کسی بھی قسم کے تعصب اور اندھی تقلید کے دائرے سے نکل کر کھلے ذہن و دماغ کے ساتھ اسلامی قانون اور اس کی معقولیت کا مطالعہ کرے اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اسلامی قانون دنیائے انسانیت کے لئے درحقیقت آبِ حیات کا درجہ رکھتا ہے اور اسی بناء پر اسلام عالم لبشریت کو اس خیر اور بھلائی کو اپنانے کی دعوت دیتا ہے، جس میں ساری انسانیت کا بھلا ہوسکتا ہے کیونکہ اسلام کا بنیادی مقصد پوری نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی ہے۔ غرض اسلامی قانون ہی وہ واحد خدائی قانون ہے جو اونچ نیچ سے پاک ایک متوازن اور فطری قانون ہونے کے باعث پوری نوعِ انسانی کے لئے امن و سلامتی کا باعث بن سکتا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ (انعام: ۱۰۴)	(لوگو) تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں۔ لہٰذا اب جس نے انہیں صحیح طور پر دیکھا، تو اس کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا اور جو اندھا بنا تو اس کا وبال بھی اُسی پر ہوگا۔
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (نساء: ۱۷۴)	لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک نورِ روشن (قرآن) بھیجدیا ہے۔
قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ	کہہ دو کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ج فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ج وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (یونس : ۱۰۸)

...ب کی جانب سے حق بات پہنچ چکی ہے، اس لئے اب جو کوئی راہ یابی پائے گا وہ اپنے بھلے کے لئے پائیگا اور جو صحیح راستے سے بھٹک جائیگا تو اس کا نقصان اُسی پر ہوگا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔

• یہ عالمِ انسانی کے لئے خلاقِ عالم کا واضح اور دو ٹوک فیصلہ ہے کہ اگر انسان کو اپنی بھلائی اور خیر مطلوب ہے تو خدا کی بات ماننے اور اس کے قانون کو اختیار کرے۔ وہ قانون جو نہ صرف حیات بخش ہے بلکہ ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر کرنا چاہتا ہے اور وہ کوئی دقیانوسی یا از کار رفتہ قانون نہیں بلکہ ایک علمی اور سائینٹیفک چیز ہے کیونکہ وہ علم و عقل کی میزان میں بالکل کھرا اُترتا ہے اور اس بناء پر اگر کوئی قانون تمام اقوام کے لئے "مشترکہ قانون" (یونیفارم سول کوڈ) بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ یہی خدائی قانون ہے جو حکمتوں اور خوبیوں سے بھرپور ہے ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

خیر الفتاویٰ (جلد اول)

مرتبہ: مولانا مفتی محمد انور

نیا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے

چند امتیازی خصوصیات:

- قدیم و جدید فتاویٰ کا جامع
- چالیس سالہ علمی تحقیق و تدقیق سے انتخاب
- افراط و تفریط میں راہِ اعتدال
- مسلکِ اہلِ سنت والجماعت دیوبند کا ترجمان
- ہر فتویٰ با دلیل، ہر دلیل با حوالہ
- پہلا ایڈیشن ایک ماہ کی قلیل مدت میں ختم ہو کر ارباب تحقیق سے قبول پا چکا ہے
- جلد آرڈر بک کرائیں تاکہ تیسرے ایڈیشن کے انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے

قیمت مع ڈاک خرچ ۱۲۵ روپے

بذریعہ وی پی طلب کریں۔

ملنے کا پتہ: مکتبۃ الخیر جامعہ خیر المدارس ملتان

فون ۳۲۶۸۱

برادرانِ اسلام کیلئے ایک عظیم خوشخبری

ماہنامہ
الاشرف کراچی
جریدہ

جامعہ اشرفیہ سکھر و کراچی
کا ترجمان ہے
سلیس اُردو زبان میں ہر
اِسلامی ماہ کی پہلی تاریخ
کو شائع ہوتا ہے

الاشرف قارئین کی خدمت میں ملک کے ممتاز و
مایۂ ناز علماء کرام کے دینی، اصلاحی، علمی، ادبی اور تاریخی مضامین
پیش کرتا ہے۔

الاشرف نہایت قلیل عرصہ میں ملک و بیرونِ ملک کے تمام
دینی حلقوں میں ایک منفرد مقام حاصل کرچکا ہے۔

الاشرف دورِ جدید کا معیاری رسالہ ہونے کی بنا پر
ترقی کی طرف گامزن ہے۔

آپ بھی
اس کا مطالعہ فرما کر اپنی معلومات
میں اضافہ فرمائیں اور اس کی
خریداری و اشاعت میں
تعاون فرمائیں

پاکستان میں
زرِ سالانہ مبلغ پچاس روپے صرف
فی پرچہ پانچ روپے صرف

رجوع فرمائیں ماہنامہ جریدہ **الاشرف** ۲-الاحمد مینشن ۱۳-بی گلشن اقبال کراچی ۴۷
فون: ۴۶۱۵۶۶

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی
رُوح افزا

تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔

فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال۔

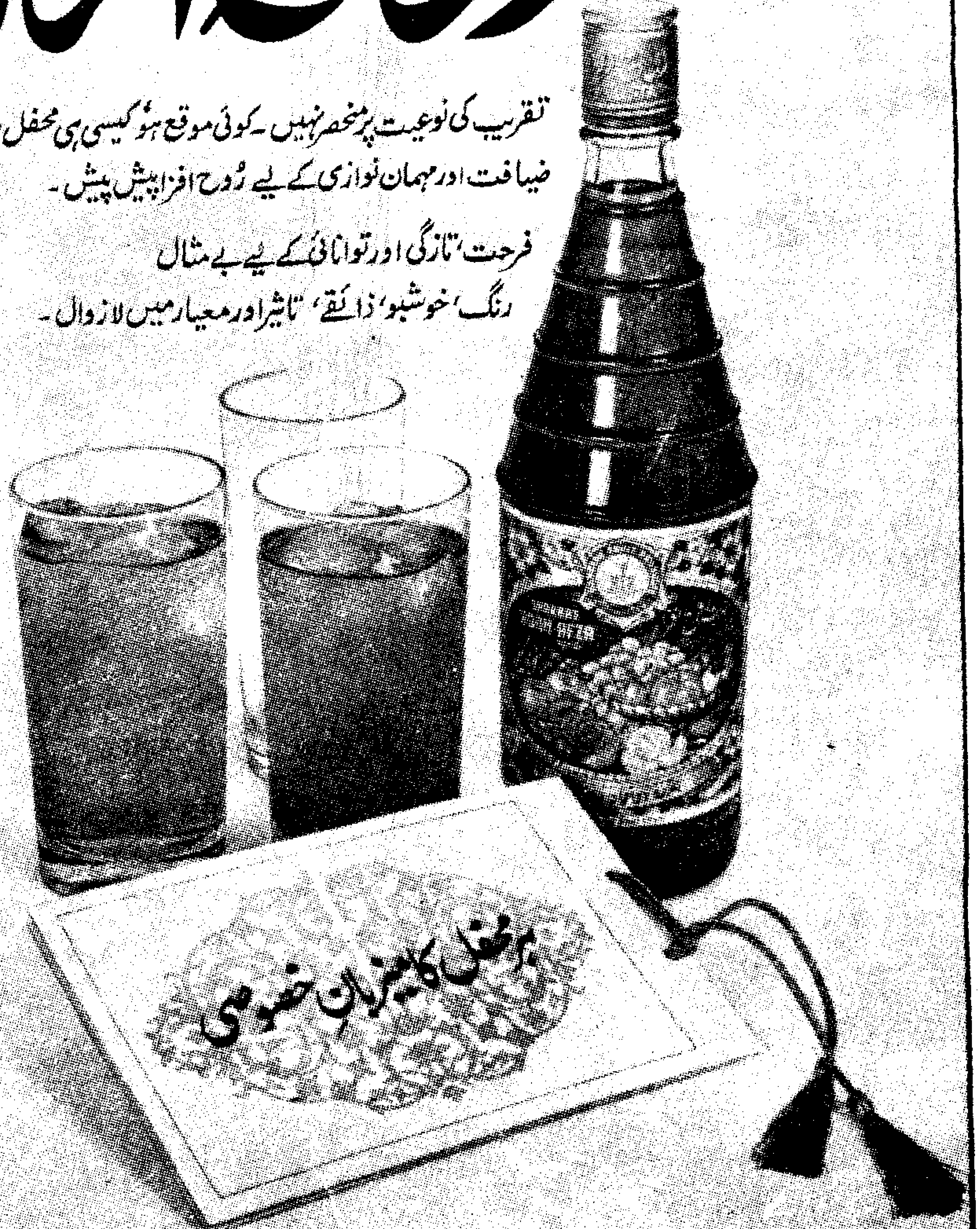

رُوح پاکستان۔ رُوح افزا
راحت جان۔ رُوح افزا

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے

ADARTS

HMD-6/87